# کتاب شہید اعظم پر تبصرہ

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

یہ مضمون جریدہ 'رضا کار' لاہور کے 'سید الشہداء نمبر' ۱۳۶۴ھ/ ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا تھا، اس کے بعد محرم ۱۳۷۹ھ (۱۹۵۹ء) میں امامیہ مشن لکھنؤ کے سلسلہ اشاعت نمبر ۲۸۵ کے تحت امامیہ مشن کی جانب سے اشاعت پذیر ہوا۔

مدینہ پریس، بجنور میں ایک کتاب طبع ہوئی ہے جس کا نام رکھا گیا ہے ''شہید اعظم'' اور جس کے سرورق پر مصنف کا نام لکھا گیا ہے ''حضرت مولانا ابوالکلام آزاد''۔ اس لئے شوق کے ہاتھوں نے کتاب کھول کر نگاہ تدبر کو دعوت مطالعہ دی مگر تعجب کی انتہا نہ رہی جب دیکھا گیا کہ کتاب اغلاط سے پر ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد صدر آل انڈیا نیشنل کانگریس کمیٹی ایک بالغ نظر انسان ہیں۔ اسی لئے ایسی کتاب کا ان کے نتائج تعلمی میں سے ہونا خالی از تعجب نہ تھا۔ مگر ہمارے دوست الحاج نواب سید محمد عباس صاحب طالبؔ صفوی رئیس شمس آباد قابل مبارکباد ہیں اس انکشاف پر کہ یہ کتاب دہلی کے ایک غیر معروف ابوالکلام آزادؔ کی ہے جنھوں نے دلھن کی ڈائری وغیرہ بعض سوقیانہ اور نہایت مبتذل کتابیں بھی لکھی ہیں۔

بہر حال جن جن مقامات پر میری نظر اثنائے مطالعہ میں ٹھٹکی، ان کی ایک مختصر فہرست درج کی جاتی ہے بغیر اس لحاظ کے کہ یہ مضامین کس کے لکھے ہوئے ہیں کیونکہ غلط بات بہر حال غلط ہے چاہے وہ کسی ابوالکلام کا کلام اور کسی آزادؔ کی آزادروی کا نتیجہ ہو۔

(۱) 'تمہید' میں واقعہ کربلا کے اسباب کو حسب ذیل چند سطور میں ختم کیا گیا ہے:

> اہل بیت شروع سے اپنے تئیں خلافت کا زیادہ حق دار سمجھتے تھے۔ امیر معاویہ بن ابی سفیان کی وفات کے بعد تختِ خلافت خالی ہوا۔ یزید بن معاویہ پہلے سے ولی عہد مقرر ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور حسینؑ بن علی علیہ السلام سے بھی بیعت کا مطالبہ کیا۔
>
> امیر المومنین علی علیہ السلام نے کوفہ کو دارالخلافت قرار دیا تھا اس لئے وہاں اہلبیتؑ کرام کے طرفداروں کی تعداد زیادہ تھی انھوں نے حضرت حسینؑ کو خط لکھا کہ آپ تشریف لائیے ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ آپ نے چچیرے بھائی مسلم بن عقیلؑ کو اہل کوفہ سے بیعت لینے کے لئے بھیجا اور خود بھی سفر کی تیاریاں کرنے لگے۔

اس میں چند باتیں قابل تشریح رہ گئی ہیں اور چند باتیں گمراہ کن ہیں۔ اہلبیتؑ شروع سے اپنے تئیں خلافت کا زیادہ حق دار سمجھتے تھے۔

یہ ہے تو صحیح مگر آخر پھر کیا خاص وجہ ہوئی کہ اس سے پہلے کوئی ویسا خونریز مقابلہ نہ ہوا، جیسا یزید کے عہد میں واقعۂ کربلا کی شکل میں ہوا۔ کیا یزید کے کردار میں کچھ ایسی باتیں تھیں جو اس کے قبل والوں میں نہ تھیں اور اسلام کو اس کے ہاتھوں کچھ ایسا نقصان پہنچ رہا تھا جو اس کے قبل نہیں پہنچا تھا، جب ہی اس کے

دور میں کربلا کی ایسی خونریز مہم کی ضرورت ہوئی۔

اس تمہیدی فقرہ ''اہلبیتؑ شروع سے اپنے تئیں۔۔۔ الخ'' کے ذریعہ سے حقیقتاً یزید کے کردار اور اس کے خاص امتیازات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے جو تاریخ کے ساتھ ایک ناقابل معافی ظلم ہے۔

''حسینؑ بن علی علیہ السلام سے بیعت کا مطالبہ کیا'' تو انھوں نے کیا جواب دیا۔ اس کا تذکرہ چھوڑ کر کوفہ کے خطوط کا ذکر کرنے لگنا یہ سمجھانے کے لئے ہے کہ حضرت کا بیعت سے انکار اہل کوفہ کے بھڑکانے اور آمادہ کرنے سے تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مدینہ میں جب کہ بیعت کا مطالبہ ہوا ہے ایک خط بھی کوفہ کے لوگوں کا نہیں گیا تھا۔۔۔ حضرت کا بیعت یزید سے انکار کرنا اپنی ذمہ داری احساس پر مبنی تھا۔ جس میں اہل کوفہ کو ذرہ برابر دخل نہ تھا۔

''انھوں نے حضرت حسینؑ کو خط لکھا۔۔۔ آپ نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیلؑ کو اہل کوفہ سے بیعت کرنے کے لئے بھیجا اور خود بھی سفر کی تیاری کرنے لگے۔''

کہاں سے سفر کی تیاری۔۔۔؟ معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ ہی میں اہل کوفہ کے خطوط پہنچے ۔۔۔ مدینہ ہی سے مسلم بن عقیلؑ روانہ کئے گئے اور پھر مدینہ سے امام حسینؑ سفر کی تیاری کرنے لگے۔۔۔!

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سفر آپ نے مطالبہ بیعت ہونے کے بعد ہی فرمایا، مدینہ سے مکہ چلے گئے ۔۔۔۔۔ کوفہ والوں نے خطوط اس وقت بھیجے، جب انھیں یہ اطلاع ہوئی کہ امام حسینؑ نے بیعت یزید سے انکار کیا ہے اور مدینہ سے نکل کر مکّہ چلے گئے ہیں ۔۔۔۔ آپ نے مسلمؑ کو ''اہل کوفہ سے بیعت کرنے کے لئے ۔۔۔۔۔'' اس کے تو کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔ صحیح الفاظ میں ''بیعت لینے کے لئے'' نہیں بھیجا۔ بلکہ اس لئے کہ وہ اہل کوفہ کے حالات کا مطالعہ کر کے آپ کو اطلاع دیں ۔۔۔۔۔ یہ بھی غلط ہے کہ آپ ان کو بھیجتے ہی خود بھی سفر کی تیاری کرنے لگے''۔

بلکہ جب آپ کو مکہ میں خونریزی کا اندیشہ پیدا ہوا، اس وقت وہاں سے روانہ ہوئے۔

(۲) دوستوں کے مشورہ کے ذیل میں لکھا ہے:-

آپ کے دوستوں اور عزیزوں کو معلوم ہوا تو سخت مضطرب ہوئے۔ وہ اہل کوفہ کی بے وفائی اور زمانہ سازی سے واقف تھے۔ بنی امیہ کی سخت گیر طاقتوں سے بھی بے خبر نہ تھے۔ انھوں نے اس سفر کی مخالفت کی ۔۔۔۔۔۔۔''۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت امام حسینؑ خود اہل کوفہ کی حالت سے واقف نہ تھے اور کیا آپ بنی امیہ کی طاقتوں سے بے خبر تھے؟

یقینا آپ بھی اگر زیادہ نہ مانا جائے تو اتنا ہی اس سب سے واقف تھے۔ پھر آپ نے جو روانگی کا ارادہ کیا اور اس ارادہ پر قائم رہے تو کوئی تو اس کا ناگزیر سبب تھا۔ اس سبب کا پتہ لگانا تاریخ نویسی کا ایک اہم جزو ہے۔

مصنف کتاب نے ابن عباس کے مشورے، ان کے جوش میں بھرے ہوئے الفاظ، عبداللہ بن جعفر کا خط، والی کا خط، یہ سب کچھ تو لکھ دیا۔ مگر حضرت امام حسینؑ کے وہ جواب نقل نہ کئے جو آپ نے اپنے مشورہ دینے والوں کو دیئے تھے۔۔۔۔۔

کیونکہ ان جوابوں سے ثابت ہو جاتا کہ آپ کا سفر عراق کا ارادہ کسی خاص توقع کی بنا پر نہ تھا جس کے پورا نہ ہونے کی صورت میں آپ پر ناعاقبت اندیشی کا الزام عائد ہو سکتا۔ بلکہ وہ کچھ وقتی خطرات سے بچنے کے لئے تھا جو آپ کے سامنے تھے اور جن سے آپ سفر کے ذریعہ سے محفوظ رہنے میں کامیاب ہوئے۔ مثلاً جب فرزدق نے کہا کہ آپ نے حج میں اتنی جلدی کیوں کی؟ تو امام نے فرمایا کہ اگر میں جلدی نہ نکلتا تو گرفتار ہو جاتا۔ (ابن جریر طبری، ج۶ ص۲۱۸)

ایک دفعہ فرمایا: میرا کعبہ سے باہر قتل ہونا اچھا ہے بہ نسبت کعبہ کے اندر قتل ہونے سے۔ خدا کی قسم اگر میں کسی جانور کے سوراخ میں داخل ہوں گا تو یہ لوگ مجھے نکال کر قتل کر دیں گے۔ (طبری، ج۶ ص۲۱۷)

کبھی فرمایا: میرے باپ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ ایک مینڈھا کعبہ میں قتل ہوکر اس کی حرمت کو زائل کرے گا۔ میں وہ مینڈھا نہیں بننا چاہتا۔ (طبری، ج ا، ص ۲۱۷)

اس سے ظاہر ہے کہ سفر آپ نے مکّہ کی حرمت کو برقرار رکھنے کے لئے مجبور ہوکر کیا تھا۔

(۳) کتاب میں چن چن کر صرف ان واقعات کی کڑیوں کو درج کیا گیا ہے جن کا تقاضا یہی تھا کہ حضرت امام حسینؑ سفر عراق اختیار نہ کریں اور جن کی موجودگی میں آپ کا اپنے ارادہ پر قائم رہنا صرف یہ ثابت کرسکتا ہے کہ آپ ایک ضدی انسان تھے اور یہی مصنف کتاب کا مقصد ہے۔ اس لئے واقعات کی وہ کڑیاں نظر انداز کردی گئی ہیں جن کے نتیجہ میں آپ کو اپنے ارادہ پر قائم رہنا ضروری تھا۔

مثلاً آپ کے نمائندہ مسلم بن عقیلؑ کا خط آنا کہ کوفہ میں حالات سازگار ہیں ۔۔۔۔۔۔۔ سب آپ کی اطاعت پر تیار ہیں۔ آپ کو جلد تشریف لانا چاہئے۔۔۔۔۔ (ابن جریر طبری)

جس کے بعد آپ کے پاس اہل کوفہ کی دعوت کو مسترد کرنے کی کوئی وجہ معقول نہ تھی۔ آپ کے مکّہ سے روانہ ہونے کے وقت حاکم مکہ کے سپاہیوں کا سدراہ ہونا اور جبراً آپ کو روکنے کی کوشش کرنا۔ (ابن جریر طبری)

جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے لئے مکہ میں ایک نظر بندی اور حراست کی حالت ہوگئی تھی۔۔۔ اور اگر آپ مزید قیام فرماتے تو بہت جلد آپ کی حیثیت ایک قیدی کی سی ہوجاتی۔

اس صورت حال میں جناب مسلمؑ کی خبر شہادت سننے کے بعد بھی آپ کے لئے پھر مدینہ یا مکہ کی طرف واپسی کہاں تک مناسب تھی۔

اس صورت میں مسلمؑ بن عقیلؑ کے عزیزوں کی ضد کو آپ کے ارادہ کے قائم رکھنے کا پورا سبب قرار دینا، جس کو مصنف کتاب نے اہمیت دی ہے، درست نہیں ہے۔

(۴) ترجمہ کی غلطیاں بھی موجود ہیں مثلاً 'بِخَیرِ رُکْبَانٍ وَ خَیرِ سَفَرٍ' کا ترجمہ اچھے مسافروں کو لے چل۔ سب سے بہتر سفر پر چل۔ حالانکہ سفر کے معنی سفر نہیں، بلکہ جماعت مسافرین ہیں۔ دونوں کے معنی یہی ہیں بہترین سواروں کو لے چل اور بہترین مسافروں کو۔ 'سب سے بہتر سفر پر چل' کسی لفظ کے معنی نہیں ہیں۔

(۵) بعض جگہ سرخیاں بھی عجیب ہیں۔ جیسے امام حسینؑ کا وہ معرکہ آرا خطبہ جو اصحاب کو جمع کرکے شب عاشور ارشاد فرمایا ہے جس میں فرمایا تھا کہ تم سب لوگ میرا ساتھ چھوڑ کر چلے جاؤ۔ میں اپنی بیعت تمہاری گردنوں سے اٹھائے لیتا ہوں اور اصحاب کے جواب کہ ستر (۷۰) مرتبہ بھی اگر قتل ہوں تو آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ ایسے بے نظیر تاریخی موقع کی سرخی قرار دی ہے: 'آپ کی حسرت اور اصحاب کی وفاداری'۔ اس موقع پر حسرت کی لفظ کا مفہوم عربی، فارسی، اردو کسی محاورہ کے تحت میں ظاہر نہیں ہوتا۔

یہاں بھی نادانستہ یا مصلحتہً ترجمہ غلط ہوا ہے۔۔۔۔۔

حضرت کے الفاظ یہ تھے کہ "لَا اَعْلَمُ اَصْحَاباً اَوْفیٰ وَ لَا خَیرًا مِنْ اَصْحَابِیْ وَ لَا اَهْلَ بَیتٍ اَبَرَّ وَ لَا اَوْصَلَ مِنْ اَهْلِ بَیتِیْ۔"

اس کا ترجمہ 'جو ہر عربی داں کی سمجھ میں آسکتا ہے' یہ ہے کہ میں کسی کے اصحاب کو اپنے اصحاب سے زیادہ وفادار اور بہتر نہیں جانتا ہوں اور کسی کے عزیزوں کو اپنے عزیزوں سے زیادہ باوفا نہیں جانتا۔

مگر اس کتاب میں یہ ترجمہ کیا گیا ہے کہ: "میں نہیں جانتا آج روئے زمین پر میرے ساتھیوں سے افضل اور بہتر لوگ موجود ہیں یا میرے اہلبیتؑ سے زیادہ ہمدرد و غم گسار اہلبیتؑ کسی کے ساتھ ہیں"۔ یہ اصل الفاظ کے مطابق نہیں ہے۔

زہیر بن قینؑ کی تقریر کا ترجمہ کیا گیا ہے۔۔۔۔ "بخدا اگر میں ایک ہزار مرتبہ بھی آرے سے چیرا جاؤں"۔ یہ بھی عربی کے الفاظ سے مطابق نہیں ہے۔۔۔ اصل ترجمہ یہ ہے کہ بخدا میری آرزو ہے کہ اگر میں قتل ہوں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل ہوں۔ اسی

طرح ہزار مرتبہ ہو۔

(۶) امام حسینؑ کے اشعار کے سننے کے بعد جناب زینبؑ کی بیتابی اور حضرت کے توصیہ صبر کے موقع پر لکھا ہے۔

''حضرت امامؑ نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا: ''اے بہن یہ کیا حالت ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس و شیطان کی بے صبریاں ہمارے ایمان و استقامت پر غالب آجائیں۔'' انہوں نے روتے ہوئے کہا: ''کیونکر اس حالت پر صبر کیا جاسکے کہ آپ اپنے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں؟'' آپ نے کہا ''مشیت کا ایسا ہی فیصلہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

اس عبارت میں 'ایمان و استقامت' 'اپنے ہاتھوں' 'مشیت کا فیصلہ' سب طبعزاد الفاظ ہیں۔ اصل عبارت میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

(۷) نام اکثر غلط ہیں۔ مثلاً لکھا ہے:-

''جمعہ یا سنیچر کے دن دسویں محرم کو نماز فجر کے بعد سعد اپنی فوج لے کر نکلا۔'' حالانکہ کربلا میں سعد کوئی افسر نہ تھا۔ عمر بن سعد تھا۔ مگر شاید لفظ عمرؔ سے کسی غلط فہمی پیدا ہونے کے خطرہ سے بیٹے کے بجائے باپ کا نام لکھ دیا گیا ہے۔

(۸) بعض دشمن کی بدتمیزیوں کو اردو میں ایسے بیدھڑک طریقہ پر پیش کیا گیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کتاب کے دل پر بھی حضرت امام حسینؑ کی عظمت کا کوئی اثر نہیں ہے۔ مثلاً شمر فوج سے گھوڑا دوڑاتا ہوا نکلا اور اس نے چلا کر کہا: ''اے حسینؑ! قیامت سے پہلے ہی تو نے آگ قبول کر لی؟ (معاذ اللہ) اس کے نقل کرنے میں بھی ایک باتمیز انسان ایک عظیم الشان انسان کے بارے میں اس طرح سے بدتمیزی کے الفاظ صرف نہیں کیا کرتا۔ امام حسینؑ کی تقریر میں جو رسولؐ اللہ کی حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے۔ **الحسن والحسین سیدالشباب اهل الجنة** اس کے ترجمہ میں بڑی دور اندیشی سے یہ محتاط الفاظ صرف کئے گئے ہیں ''جنت میں نوعمروں کے سردار۔'' حالانکہ حدیث میں لفظ جنت بطور ظرف نہیں ہے۔ حدیث کے معنی ہیں ''جنت والے جوانوں کے سردار''۔

(۹) بعض غلطیاں صرف واقعہ کے صحیح تصور نہ کرنے کا نتیجہ ہیں۔ مثلاً دشمنوں کے میسرہ نے یورش کی۔ مگر حسینی میسرہ نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ ظاہر ہے کہ دشمن کا میسرہ اس طرف کی فوج کے میمنہ کے مقابل میں ہوگا۔ اس لئے میسرہ کا مقابلہ میسرہ سے نہیں ہوسکتا۔

(۱۰) عبداللہ بن عمیر کلبی کی زوجہ ام وہب کے بارے میں ابن جریر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''شمر نے اسے دیکھا اور قتل کر ڈالا'' یہ غلط ہے بلکہ اسے شمر کے غلام رستم نامی نے گرز مار کر شہید کیا تھا۔ (ابن جریر طبری)

(۱۱) حوالوں کی بھی غلطی ہے۔ چنانچہ اکثر واقعات میں ابن جریر کے ساتھ شرح نہج البلاغہ کا نام ہے حالانکہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ شرح نہج البلاغہ امیر المومنینؑ حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے کلام کی شرح ہے۔ اس میں واقعہ کربلا کی تفصیلات نہیں مذکور ہیں۔

(۱۲) جناب قاسمؑ کے حال میں لکھا ہے:-

''میدانِ جنگ میں ایک جوان رعنا نمودار ہوا۔ وہ کرتہ پہنے اور تہہ بند باندھے اور پاؤں میں نعل پہنے تھا۔ بائیں نعل کی ڈوری ٹوٹی ہوئی تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جناب قاسمؑ سن بلوغ تک نہ پہنچے تھے خود یہ شان کہ کرتہ پہنے، تہہ بند باندھے۔۔۔۔۔۔ الخ میدانِ جنگ میں ایک جوان رعنا کی نہیں ہوتی۔

(۱۳) ''مولود تازہ کی شہادت'' کی سرخی سے ابن جریر کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ (جناب قاسمؑ کی شہادت کے بعد) حضرت حسینؑ پھر اپنی جگہ پر کھڑے ہوگئے کہ عین اس وقت آپ کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ وہ آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اسے گود میں رکھا اور اس کے کان میں اذان دینے لگے۔ اچانک ایک تیر آیا اور بچہ کے حلق میں پیوست ہوگیا۔

ابن جریر کے یہاں ڈھونڈھنے سے یہ واقعہ نہیں ملتا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں "اِلیٰ حُسَیْنٍ علیہ السلام بِصَبِیٍّ لَہٗ فَھُوَ فِی حَجْرِہٖ اِذَا مَاۃَ الخ" اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک بچہ حضرت کا حضرت کے پاس لایا گیا۔ وہ آپ کی گود میں تھا کہ ایک ظالم نے اسے تیر مارا۔ مگر وہ عین اسی وقت پیدا ہوا تھا۔ اور آپ کان میں اذان دے رہے تھے اور "تیر اچانک" لگا۔ اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

(۱۴) قتل امام حسینؑ کے بعد کے مظالم کو سبک کرنے کی مسلسل کوشش کی گئی ہے جس میں سب سے پہلے خیام کی غارت گری کے مواقع پر اتنا لکھا ہے کہ پھر آپ خیمہ کی طرف بڑھے۔۔۔۔۔ اسی اثنا میں عمر بن سعد بھی آ گیا۔ اور حکم دیا: "کوئی عورتوں کے خیمے میں نہ گھسے، جس کسی نے خیمہ کا کوئی اسباب لوٹا ہو واپس کر دے"۔

یہاں ابن جریر کے یہ تصریحات مصلحتہً نظر انداز کئے گئے ہیں کہ مخالف لشکر حسینؑ کے اہل حرم اور آپ کے مال و اسباب پر ٹوٹ پڑا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حالت یہ تھی کہ عورتوں کے سروں پر سے چادریں کھینچی جاتی تھیں۔ وہ روکنے کی کوشش کرتی تھیں۔ مگر دشمن غالب آ کر چادر لے جاتا تھا۔ نیز عمر سعد کی گذشتہ ہدایت کے بعد یہ فقرہ "فَوَ اللّٰہِ مَارَدَّ اَحَدٌ شَیْئاً" کسی نے لوٹے ہوئے سامان کی کوئی چیز واپس نہیں کی۔

اس سے ظاہر ہے کہ عمر سعد کا حکم اگر تھا بھی تو فقط نمائشی تھا۔ فوج میں سے کسی شخص نے بھی اس کی تکمیل نہیں کی اور نہ عمر سعد نے اس کی تعمیل کرانے کی کوشش کی۔

(۱۵) ابن زیاد کے دربار میں سر امام حسینؑ سے چھڑی کے ساتھ بے ادبی کے تذکرہ کے بعد لکھا ہے 'بعض واقعات میں یہ واقعہ خود یزید کی طرف منسوب ہے، مگر صحیح یہی ہے کہ ابن زیاد نے چھڑی ماری تھی'۔

یہ فتویٰ صرف یزید کی صفائی کے لئے دیا گیا ہے۔ ورنہ جب کہ تاریخوں میں وہ بھی ہے اور تاریخوں میں یہ بھی تو یہی کیوں نہ مانا جائے کہ صحیح یہ ہے کہ یزید نے چھڑی ماری تھی اور حقیقت حال یہ ہے کہ دونوں درباروں میں یہ واقعہ پیش آیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہاں زید بن ارقم نے ٹوکا اور یزید کے دربار میں ابو برزہ اسلمی نے (ابن جریر)۔

(۱۶) آخر تک کتاب میں تمام وہ بیانات درج کئے گئے ہیں جو یزید کے ہواخواہوں نے احساس شکست اور پشیمانی کے بعد سے یزید کے حسن وسلوک اور مراعات اہل حرم کے متعلق بیان کئے ہیں۔ مگر ابن جریر وغیرہ ہی کی وہ روایات بھی تو ہیں۔ جن سے یزید کا اظہار مسرت اور قتل حسینؑ پر نازاں ہونا ثابت ہوتا ہے۔

مثلاً یہ کہ تمام اشراف اہل شام کو مدعو کیا اور پھر علی بن الحسینؑ اور خاندان رسالت کی خواتین کو بلایا۔ اس حالت میں کہ تماشائی تماشا دیکھ رہے تھے۔ (ابن جریر) کیا اس سے مقصود سوائے توہین کے کچھ اور ہوسکتا ہے؟

یا امام زین العابدینؑ سے کہنا کہ "تمہارے باپ نے میرے حقوق کو نظر انداز کر دیا۔ اور مجھ سے منازعت کی۔ تو ان کے ساتھ خدا نے وہ سلوک کیا جو تم دیکھ رہے ہو۔" (ابن جریر)

یا چھڑی سے لب و دندان امام حسینؑ سے بے ادبی جس کا حوالہ پہلے گذر چکا ہے۔

وہ یزید کی سیاسی تاویلیں بعد کو تھیں، کہ وہ ابن زیاد کو حسینؑ کا قاتل قرار دے کر برا کہہ دیتا تھا۔ مگر اس کا طرز عمل خود ان بیانات کے غلط ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

جس جس عامل نے امام حسینؑ کے ساتھ ذرا بھی رعایت سے کام لیا، وہ معزول ہوا جیسے ولید بن عقبہ مدینہ کی حکومت سے اور نعمان بن بشیر کوفہ کی حکومت سے، مگر ابن زیاد جس نے حسینؑ کو قتل کیا تھا، وہ اس واقعہ کے بعد اپنے منصب سے برطرف نہیں کیا گیا۔ اگر یزید کی ناراضگی صرف نمائشی نہ ہوتی اور اس میں کچھ اصلیت ہوتی تو اس عتاب کا کچھ تو مظاہرہ ابن زیاد کی نسبت عملی طور پر ہوتا۔

(بقیہ۔۔۔صفحہ ۵۴ پر)

(۴۴)

دستور ہے مردے کے لیے قبر ہو تیار
اب تاب نہیں حال میں کیونکر کروں اظہار
واں گھوڑوں کی نعلوں کو لگے باندھنے کفّار
وہ ظلم کیا شہؑ پہ ہلا گنبدِ دوّار
ہیہات کیا ظلم یہ آوارہ وطن پر
دوڑا دیا گھوڑوں کو تنِ شاہؑ زمن پر

۞۞۞



## بقیہ۔۔ کتاب شہید اعظم پر تبصرہ

یزید نے امام زین العابدینؑ یا جناب زینبؑ یا جناب سکینہؑ سے چاہے مصلحتاً کہا بھی ہو کہ مجھے نہایت افسوس ہے کہ ابن زیاد نے حسینؑ کو قتل کر ڈالا مگر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ کوئی تاریخ نہیں بتلا سکتی کہ اس نے ابن زیاد کو بھی کوئی عتاب نامہ لکھا ہو کہ تم نے یہ کیا کیا؟ حسینؑ کو قتل کر دیا؟

وہ لکھتا ہے جب کہ یہ حقیقت تھی کہ اس نے خود ابن زیاد کو مامور کیا تھا اور اس نے جو کچھ کیا وہ یزید کے حکم کے مطابق۔ اس کا اظہار خود ابن زیاد نے کیا ہے، اس وقت جب بعد ہلاکت یزید اس نے بصرہ سے فرار کیا ہے اور ایک شخص یساف لشکری اس کے ساتھ تھا اور ابن زیاد کچھ متفکر نظر آیا اور یساف نے کہا آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ میں نے حسینؑ کو کس لئے قتل کیا؟ ابن زیاد نے کہا نہیں یہ تو میں نہیں سوچتا اس لئے کہ بادشاہ وقت کے مخالف تھے اور بادشاہ وقت نے مجھے حکم دیا کہ انہیں قتل کر دوں۔ تو اگر یہ گناہ تھا تو بادشاہ کا میرا نہیں تھا۔۔۔۔۔۔ (ابن جریر)

گو یہ جواب ابن زیاد کا خود اس کے گناہ سے بچانے کے لئے ناکافی ہے مگر اس سے یہ تو ثابت ہے کہ جو کچھ ہوا تھا وہ یزید کے حکم سے۔۔۔۔۔۔۔ اور خود یزید کا عمل جس کا تذکرہ ہو چکا ہے، اس کا گواہ ہے۔

(۷) اپنے مطلب کی باتوں میں بھی جہاں کوئی لفظ مصنف کو اپنے مطلب کے خلاف ملی ہے ترجمہ میں ادل بدل کر کے اسے ہلکا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً جناب سکینہؑ کی زبانی یزید کی تعریف میں ابن جریر نے یہ فقرہ درج کیا ہے۔ **مَا رَاَیْتُ رَجُلاً کَافِرًا بِاللّٰہِ خَیْرً مِنْ یَزِیْدِ۔**

بن معاویہ'' کافر باللہ کے صاف معنی ہیں منکر خدا اور مخالف اسلام۔ مگر یہاں امکانی طور پر یزید کی بارگاہ میں حق خدمت یوں ترجمہ کر کے ادا کیا گیا ہے:-

''میں نے کوئی ناشکرا انسان یزید سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا''۔

قرآنی اصطلاح میں صرف شاکر کے مقابلہ میں جب کافر کی لفظ آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں ''ناشکرا'' ورنہ ہر جگہ کافر کے معنی غیر مومن اور غیر مسلم ہی کے ہوتے ہیں۔

والسلام

۞۞۞